تصوّرات :

عقل و دِل و نگاہ کا مُرشدِ اوّلیں ہے عشق

ڈاکٹر فرمان فتحپوری

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال سائبر لائبریری
©2006

قلندران که به تسخیر آب و گل کوشند

ز شاه باج ستانند و خرقه می پوشند

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق

89

IqbalCyberLibrary
All rights reserved
©2002-2006

علامہ اقبال کی ابتدائی تعلیم و تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی، اس کا تقاضا یہ تھا کہ انہیں اسلام اور اس کے مباحث سے گہری دلچسپی پیدا ہو جاتی۔ یہی ہوا۔ اقبال میں اسلام کی محبت شروع ہی سے ایسی رچ بس گئی کہ علم و عمر میں اضافے کے ساتھ اس میں پختگی و شدت پیدا ہوتی گئی حتیٰ کہ ان کی شخصیت رفتہ رفتہ ایک عظیم اسلامی مفکر اور عظیم شاعرِ انسانیت میں ڈھل گئی۔ چنانچہ تصوف کی روحانی منزلوں کے قائل ہوتے ہوئے بھی انہوں نے ایسے تصوف کے خلاف آواز بلند کی جو شریعت کی نفی کرتا ہو یا جس سے قرآن و رسالت کے دیئے ہوئے اصولوں پر ضرب پڑتی ہو۔ بات یہ تھی کہ انہیں قرآن پاک اور آنحضرتؐ کی ذاتِ مبارکہ سے والہانہ وابستگی تھی اور وہ زندگی کے مسائل پر غور کرتے وقت کسی ایسی بات کی تائید نہ کر سکتے تھے جس سے توحید و رسالت کے عقیدے سے انحراف کا امکان پیدا ہوتا ہو۔

علامہ نے اپنی پوری شاعری اور فکر کے بارے میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ قرآن و سنّت کے نظریات کے عین مطابق ہے۔ ایک جگہ یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر اس میں ذرہ برابر جھوٹ ہو تو قیامت کے روز انہیں "حضورِ اکرمؐ کی شفاعت نصیب نہ ہو۔ انہی کے الفاظ میں ؎

گر دلم آئینۂ بے جوہر است
در بحرفم غیرِ قرآں مضمر است

روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسے شخص کے دل میں اسلام کا جوش و خروش اور حضورؐ کی محبت کس درجے کی ہو گی۔ چنانچہ ان کے مطالعہ میں سب سے زیادہ رہنے والا صحیفہ، قرآن پاک اور اسوۂ محمدیؐ تھا۔ قرآن پاک کی تلاوت وہ یہ سمجھ کر کرتے تھے گویا وہ ان پر نازل ہوا ہے۔ اکثر یہ ہوتا کہ تلاوت کرتے کرتے اشک رواں ہو جاتے اور رقت طاری ہو جاتی۔

جب سے ان کی آواز بیٹھ گئی تھی، انہیں سب سے زیادہ غم اس بات کا رہتا تھا کہ وہ خوش الحانی سے قرآنِ پاک نہیں پڑھ سکتے۔

اسی طرح آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی سے انہیں جو عشق تھا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ان کے خطوط، ان کے مقالات، ان کے پیغام، ان کے فلسفے اور ان کے اشعار کے ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف اور ایک ایک نکتے سے رسولؐ کی محبت ٹپکی پڑتی ہے۔ ان کی ساری شاعری اور فلسفۂ حیات کا خلاصہ ہی یہ ہے کہ:

بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

علامہ کو اسوۂ نبویؐ سے کیسا شغف تھا، ان کی ذاتِ مبارکہ سے کیسی والہانہ محبت تھی، ان کی صفات سے کیسی شیفتگی تھی اور حیات بعد الممات کے حوالے سے ان کے دل میں حضورؐ کی عظمت و محبت کا چراغ امید و ندامت کی ملی جلی شعاعوں کے ساتھ کس طرح روشن تھا اس کا کچھ اندازہ علامہ کے اِن اشعار سے کیا جا سکتا ہے۔ کہنے کو یہ دو شعر ہیں لیکن حمد و نعت کے حوالے سے دیکھئے تو طویل قصائد اور ضخیم دواوین پہ بھاری ہیں:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر

حضورِ اکرمؐ سے علامہ اقبال کے بے پناہ لگاؤ کے ضمن میں ایک اور بات کا تذکرہ ضروری ہے۔ بظاہر بات چھوٹی لگتی ہے لیکن ہے اتنی بڑی کہ مثال ملنا مشکل ہے۔ علامہ کو آخری عمر میں ایک خیال بہت ملول و غمزدہ رکھتا تھا —— اور وہ خیال یہ تھا کہ کہیں اُن کی عمر حضورؐ کی طبعی عمر سے آگے نہ بڑھ جائے۔ خلوت میں آبدیدہ ہو کر دعائیں مانگتے تھے کہ یا اللہ میری عمر تریسٹھ سال سے متجاوز نہ ہونے پائے۔ دعا قبول ہوئی۔ اکسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ غور کیجئے کہ یہ کیسی جان نثارانہ دعا تھی۔ ہوسِ دنیا کے اسیر اور مال و اولاد کی محبت میں گھرے ہوئے ہر شخص کے بس کی بات نہیں کہ وہ اس طرح کے دعائیہ کلمات آسانی سے اپنی زبان پر لاسکے۔

لیکن حضورؐ سے اقبال کا عشق صرف اس قسم کی دعاؤں اور ندامت سے لبریز اشعار تک محدود نہیں ہے۔ عرض کیا جا چکا ہے کہ ان کی ساری شاعری اور فلسفہ کا محور ہی عشقِ رسولؐ ہے۔ اسرارِ خودی سے لے کر جاوید نامہ اور ارمغانِ حجاز تک ان کا کلام دیکھ جائیے، اس محور سے انحراف نہ ملے گا۔ ان کا کلام صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان کے فکر و فن کا نقطۂ آغاز بھی حضورؐ کی رسالت ہے اور نقطۂ ارتقا و اتمام بھی رسالت ہے۔ رموزِ بے خودی کے ابتدائی صفحوں میں کیسی بھرپور آواز اور یقین و اعتماد سے سرشار لہجے میں فرماتے ہیں کہ:

از رسالت در جہاں تکوینِ ما
از رسالت دینِ ما آئینِ ما

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2005-2006

دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم
در رہِ حق مشعلے افروختیم

لیکن بات صرف رسالت کی توصیف و تکریم تک نہیں ہے انہوں نے اپنے فلسفۂ خودی یا پیغامِ حیات کے عناصرِ ترکیبی میں بنیادی عنصر عشقِ رسولؐ ہی کو قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک جب خودی ارتقائی منزلوں سے گزر کر آنحضرتؐ کی محبت سے سرشار ہو جاتی ہے تو کائنات کی ساری قوتیں اس کے قبضے میں آجاتی ہیں اور زمین و آسمان کے سارے مرحلے اس کی تسخیر و دسترس میں ہوتے ہیں۔ اسرارِ خودی میں فرماتے ہیں کہ:

از محبت چوں خودی محکم شود
قوتش فرماں دہِ عالم شود
پنجۂ او، پنجۂ حق می شود
ماہ، از انگشتِ او شق می شود

یہاں معجزۂ شق القمر کے حوالے سے محبت کی نسبت کا واضح اشارہ حضور اکرمؐ کی طرف ہے اور اس حوالے سے محبت یا عشق کا لفظ اقبال کے یہاں صرف عام معنوں میں ایک لفظ نہیں رہتا بلکہ ایک ایسی اصطلاح بن جاتا ہے جس کے مفہوم میں حیات و کائنات کے سارے عملی پہلو سمٹ آتے ہیں اور عشق ان پہلوؤں کا محرک و رہنما بن جاتا ہے۔ چنانچہ جب علامہ اقبال یہ کہتے ہیں کہ:

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

یا

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

یا جب وہ عشق و محبت کے باب میں اس طرح کا اظہارِ خیال کرتے ہیں کہ:

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دمِ جبرئیلؑ، عشق دلِ مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسولؐ، عشق خدا کا کلام

تو علامہ اقبال کا واضح اشارہ حضورِ اکرمؐ اور صرف حضورِ اکرمؐ سے والہانہ عشق کی جانب ہوتا ہے۔

اب اس خاص تعلق کی بنا پر اقبال کے یہاں عشق اور اس کے محرکات و تصرفات کا معاملہ، اردو فارسی کے دوسرے شعرا سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ مسلکِ اقبال کے چند صوفی شعراء کو چھوڑ کر، دوسرے شاعروں کے یہاں، عشق کا بیان صرف وارداتِ قلبی اور کیفیاتِ روحانی کا مضطربانہ اظہار ہے اور عام طور پر، فرد کی ذات و کائنات میں نفی پر مبنی ہے۔ اس کے برعکس عشق کے باب میں اقبال کا نقطۂ نظر ذات و کائنات کے اثبات و تسخیر کا داعی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عشق، دوسرے شاعروں کے متصوفانہ یا رسمی عشق سے یکسر مختلف ہے۔ ان کے یہاں عشق حضور پُر نورؐ کے حوالے سے زندگی کا زبردست عامل ہے۔ ایک طرف یہ عامل تسخیرِ فطرت میں انسان کی مدد کرتا ہے، دوسری طرف کائنات سے اس کا رشتہ استوار کر کے فرد کے فکر و نظر کو اتنا بلند کر دیتا ہے کہ وہ اپنی ہمتِ مردانہ کے سامنے جبرئیل کو صیدِ زبوں خیال کرنے لگتا ہے ؎

در دشتِ جنونِ من جبرئیل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

اس عشق کی بدولت آدمی میں حریت و آزادی کا ایسا شدید اور طاقت ور احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ ساری مادی اور خارجی بندشیں اس کی نظر میں کمزور اور بے وقعت ہو جاتی ہیں۔ باطنی شعور ذہن پر حقائق کا راز اس طرح فاش کر دیتا ہے کہ ظاہری علوم یعنی عقل و حکمت اس کے غلام بن جاتے ہیں۔ بقول اقبال:

من بندۂ آزادم عشق است امامِ من
عشق است امامِ من، عقل است غلامِ من

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اقبال کے عشق کا ایک مکمل نظامِ فکر ہے اور یہ نظامِ فکر حقیقت میں نظامِ مصطفویؐ کے تابع ہے۔ اقبال نے اسے مادی حقائق پر روحانی حقائق کی برتری ثابت کرنے کے لیے اپنایا ہے۔ چنانچہ اقبال کے نظامِ فکر کا یہ خاص پہلو جس کا نام محبت یا عشق ہے اور جو حضورؐ کی ذات و صفات سے پوری طرح استوار ہے فقیروں کو آدابِ خود آگاہی سکھاتا ہے شہنشاہی کے منصب پر فائز کرتا ہے مٹی کے تودوں کو انسان بناتا ہے، غبارِ راہ کو وادیٔ سینا کا فروغ عطا کرتا ہے، شرارِ بولہبی کے مقابلے میں چراغِ مصطفویؐ کو جلائے رکھتا ہے، آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے، آتشِ نمرود کو گل و گلزار بناتا ہے اور ؎

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ ست
آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ ست

کو زندگی کا نصب العین اور حاصل حصول جانتا ہے۔

اس تفصیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اقبال کے یہاں عشق کسی لمحاتی جذبے یا تاثر کا نام نہیں ہے بلکہ یہ مستقل سرچشمہ ہے آگہی و خود آگہی کا۔ اقبال نے اس عشق کو کہیں شوق کا نام دیا ہے کہیں یقین کا، کہیں وجدان سے تعبیر کیا ہے اور

کہیں جنوں سے، کہیں سوز و ساز کا نام دیا ہے اور کہیں درد آرزو مندی کا۔ ہر جگہ اس عشق کا قوتِ حیات، جذبۂ عمل اور حصولِ مقصد سے گہرا رشتہ ہے اور یہ رشتہ اقبال کو اتنا عزیز ہے کہ وہ عشق کے موضوع، اس کی کیفیت و سرشاری اور اس کی مستی و خود نگری کو ذرا دیر کے لئے بھی اپنی شاعری پیغام سے الگ رکھنے کو تیار نہیں ہوتے۔ جو کچھ کہتے ہیں، اسی عشق کے حوالے سے اور اسی کی رہنمائی میں کہتے ہیں نتیجتاً جن جن مقامات پر انہوں نے اپنے اس محبوب موضوع کو برتا ہے یا اس کے حوالے سے بات کی ہے، وہاں وہاں ان کی شاعری، فکر و فن کی ایسی بلندیوں سے ہم آہنگ ہو گئی ہے کہ ہم اسے عظمتوں کا نشانِ آخر قرار دے سکتے ہیں۔ بطور مثال صرف ایک دو مثالیں دیکھئے: "پیامِ مشرق" میں ایک نظم "تسخیرِ فطرت" کے نام سے ہے۔ اس نظم کے ابتدائی اشعار "میلادِ آدم" کے عنوان سے ہیں۔ چونکہ آدم کا قالب نورِ محمدی اور عشقِ رسولؐ سے معمور ہے اس لئے یہ عشق اقبال کی زبان سے ایک نغمے کی صورت میں اس طور پر پھوٹ پڑتا ہے کہ:

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور
خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد
آرزو بے خبر از خویش بآغوشِ حیات
چشم وا کرد و جہانِ دگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

بذاتِ خود عشق کیا ہے؟

اس باب میں کچھ کہنا اور وہ بھی حد درجہ دلآویز و دلکش پیرائے میں کہنا، آسان نہیں ہے لیکن اقبال کو چونکہ اس نام سے اور اس موضوع سے عشق ہے، وہ اُن کے رگ و پے میں جاری و ساری ہے اور اُن کے دل و نظر اور فکر و فن کا مقصود ہے اس لئے انہوں نے اس موضوع کو اس کی جملہ توانائیوں اور کیفیتوں کے ساتھ جگہ جگہ اشعار میں ڈھال دیا ہے اور کچھ ایسے والہانہ پن کے ساتھ کہ قاری و سامع کی ہر حس جھوم جھوم اٹھتی ہے۔ صرف چار شعر سنتے چلئے کہ ایسی چیزیں کہیں اور مشکل سے ملیں گی:

عقلے کہ جہاں سوز و یک جلوۂ بے باکش
از عشق بیاموزد آئینِ جہانتابی
عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد
از تاب و تبِ رومی تا حیرتِ فارابی

این حرف نشاط آور می گویم و می رقصم
از عشق دل آساید با این ہمہ بے تابی
ہر معنیِ پیچیدہ در حرف نمی گنجد
یک لحظہ بدل در شو شاید کہ تو دریابی

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اقبال کی حکمت و شعر کا محبوب موضوع اور محور بھی دوسرے اردو فارسی شعرا کی طرح اگرچہ بظاہر 'عشق' ہے، لیکن اقبال کا عشق، حقیقت میں ذات و صفاتِ محمدی اور دینِ مصطفویؐ کے اساسی پہلوؤں کا مظہر ہے۔ عشق کے حوالے سے انھوں نے جا بجا آئینِ فطرت اور دینِ برحق کے مختلف پہلوؤں کی تشریح و توضیح کی ہے اور اقبال کی طبعِ عاشقانہ اور مزاجِ شاعرانہ نے ہر جگہ اس توضیح میں خاص قسم کا تکلف سمو دیا ہے۔ اس توضیح میں کہیں ملّتِ اسلامیہ کی بدحالی کا ذکر بڑے دردمندانہ لہجے میں کیا گیا ہے، کہیں اخلاقِ محمدی اور اسوۂ رسولؐ کی پیروی کی تلقین کی گئی ہے۔ کہیں اسلامی طرزِ حیات اور اسلامی تخیّل کی ترجمانی کا حق ادا کیا گیا ہے، کہیں مناجات کی صورت میں حضورِ اکرمؐ سے امّتِ محمدی پر نگاہِ خاص کرنے کی دعا مانگی گئی ہے۔ کہیں عابد و معبود اور خالق و مخلوق کے نازک رشتوں کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے اور کہیں حضورِ اکرمؐ کو براہِ راست مخاطب کر کے نہایت شگفتہ اور پُر وقار لہجے میں، اس طور پر عقیدت و محبت کے نغمات بکھیرے گئے ہیں کہ:

لوح بھی تُو قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے نور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب